صادق رضا مصباحی*

عصری تعلیم کے اسکولوں پر توجہ کی ضرورت

اگر میں یہ کہوں کہ اس وقت مدارس سے زیادہ مکاتب پر توجہ کی ضرورت ہے تو اس میں کسی کو کوئی حیرت نہیں ہونی چاہیے۔ کسی بھی بلند فکر اور زمانہ شناس شخص سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ زمانے کی رفتار کے آگے مدارس ومکاتب اپنی کوتاہ رفتاری کا شکوہ کر رہے ہیں۔ ہم نے بالعموم بلند بانگ دعوے تو بہت کیے مگر اس کے مطابق کام پانچ فی صد بھی نہیں کیا۔ اس ضمن میں سیاسی لیڈران اور مذہبی قائدین دونوں ہی ذمے دار ہیں۔ یہ بات یوں ہی نہیں کہی جا رہی ہے بلکہ اس کی پشت پر وہ تاریخی شہادتیں ہیں جن کا انکار سورج کو جھٹلانے کے مترادف ہوگا۔

سائنس اور ٹکنالوجی کے معاصر رجحانات نے لوگوں کی سوچ اور فکر کا دھارا کچھ اس طرح موڑا ہے کہ اب وہ مادیت کے پجاری بن کر رہ گئے ہیں۔ اب ان کی فکر کا محور بس یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ پیسہ کمایا جائے، اعلیٰ سے اعلیٰ ملازمت (Job) حاصل کیا جائے، بھاری بھرکم تنخواہوں پر کام کیا جائے اور زیادہ سے زیادہ سماجی عزت دونوں ہاتھوں سے بٹوری جائے۔ اس رجحان کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر مذہب بیزاروں کی صف میں کھڑے ہو گئے۔ ان کی دنیا تو انہیں تھوڑی سی مل گئی مگر وہ دین سے اور دین ان سے دور ہوتا گیا۔ ہماری قوم کے بیشتر افراد اپنے بچوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ عصری تعلیم دلانے کے لیے انگلش میڈیم اسکولوں کا رخ کر رہے ہیں جہاں ان کی جیب بھی خالی ہو رہی ہے اور ان کے دین کا سودا بھی ہو رہا ہے۔ یہاں رک کر ذرا غور کریں کہ آخر ان لوگوں میں مذہب بیزاری کیوں پیدا ہوئی؟ دراصل اس دین بیزاری کا ماخذ انھی دنیا پرست مذہبی قائدین کا فکر وعمل ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی ہمیں فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اکثر مسلمان چاہتے ہیں کہ ان کے بچے اسلامی تعلیم وتربیت حاصل کریں، ان کے اندر اسلامی مزاج پیدا ہو اور ان کا اسلامی شعور پختہ ہو مگر اس شدید خواہش کے باوجود وہ اپنے بچوں کو اسلامی مکاتب اور مدارس میں نہیں بھیجتے۔ سبب یہی بے سمتی کے شکار مدارس ومکاتب اور ان کے اکثر منتظمین ہیں جو اسلام کا نعرہ تو خوب بلند کرتے ہیں مگر ان کے افعال وکردار سے اس کی تصدیق ہوتی نظر نہیں آتی۔ تقریباً سبھی مدارس ومکاتب انھیں لکیروں پر چل رہے ہیں جو برسوں سے بنی ہوئی ہیں۔ اس سے ایک انچ اِدھر یا اُدھر خود کو ہٹانا بہت بڑا جرم تصور کرتے ہیں اور انتہا تو یہ ہے کہ اس کو مذہب اور دین کے نام سے جوڑا جاتا ہے۔ گویا اس لکیر

* sadiqraza92@gmail.com

سے اِدھر اُدھر ہٹنے میں دین کا کوئی اہم ستون منہدم ہوا جا رہا ہو۔ زمانے کے تقاضے کچھ اور کہتے ہیں مگر یہ مدارس (الا ماشاء اللہ) ان مطالبات پر پورے نہیں اتر رہے ہیں۔ اس کے جو نقصانات ہوئے اور ہو رہے ہیں، ان کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں ہے۔

برصغیر ہندو پاک میں مدارس کی اتنی کثرت ہے کہ ان کا شمار مشکل ترین امر ہے اور ان میں چند کو چھوڑ کر باقی کوئی بھی مدرسہ ایسا نہیں ہے جو موجودہ چیلنجوں کے جواب اور دین کا دفاع کرنے والے ماہر افراد تیار کر رہا ہو۔ اس لیے ان کے اکثر فارغین نہ دین کے مفاد میں ہیں اور نہ سماج کے۔ صرف مساجد و مدارس تک ہی محدود رہنا اسلام کا نقطۂ نظر کبھی نہیں رہا۔ ان کے سوا عشق کے امتحان اور بھی تو ہیں مگر یہ دین کی خدمت کا مرکز صرف مسجدوں اور مدرسوں کو سمجھتے ہیں۔ اس کے آگے نہ ان کی نظریں دیکھ پاتی ہیں اور نہ ان کی فکر کا پرندہ وہاں تک پہنچتا ہے۔ ظاہر ہے جب پڑھانے والوں کی فکریں زرخیز نہیں ہوں گی تو پڑھنے والوں کی فکروں کو بال و پر کیسے عطا ہوں گے۔ اگر مدارس اسی طرح چلتے رہے تو اسلام کے مطلوب افراد قوم کو کبھی میسر نہیں آسکیں گے۔

ایک اہم اور کھلی ہوئی حقیقت یہ بھی ہے کہ مدارس کے فارغین دس سالہ طویل کورس کرنے اور عمر کا ایک بڑا حصہ مدرسوں میں گزار لینے کے باوصف بالعموم روح دین سے غافل ہی رہتے ہیں۔ ظاہر ہے جب وہ دین کی گہرائیوں سے واقف نہیں ہوں گے تو اسلام کا پیغام صحیح طور سے کیسے پہنچا سکیں گے۔ مدارس بلاشبہہ دین کے قلعے ہیں مگر آج اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے جو اضطراب پیدا ہو چکا ہے، اس کی واحد وجہ بھی یہی مدارس اور اس کے فارغین ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے سماج کا امیر اور متوسط طبقہ مدارس کو چندہ تو دے دیتا ہے مگر وہ اپنے بچوں کا مستقبل ان مدرسوں کے سپرد نہیں کرتا۔

آنکڑے یہ بتاتے ہیں کہ دنیوی تعلیم یافتہ لوگ بڑے بڑے منصبوں پر فائز ہیں اور دینی تعلیم یافتہ ان کے دست نگر بننے پر مجبور۔ ہمارے یہاں لاکھوں تقریریں ہوتی ہیں اور کروڑوں تحریریں لکھی جاتی ہیں کہ اسلام کامل واکمل دین ہے۔ وہ ہر زمانے، ہر فکر، ہر فلسفے اور ہر طرح کے لوگوں کے لیے ہے مگر کیا تقریر کرنے والوں اور تحریر لکھنے والوں نے اسے عملی طور پر ثابت کر کے دکھایا؟ عوام تو عوام، خواص کی ایک بڑی اکثریت کے عمل نے نادانستہ طور پر اسلام کو مسجد و مدرسے کے اندر محدود کر دیا ہے۔ مدارس کے اساتذہ اور مساجد کے ائمہ کے اندر معلوم نہیں اس تصور نے کیسے جڑ پکڑ لیا کہ مقتدیوں کو نماز پڑھانے اور درسی کتابیں پڑھا دینے سے ان کی ذمے داری پوری ہو گئی۔ ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ دین کا تصور بہت وسیع اور جامع ہے۔ ایک مذہبی قائد کی یہ دینی ذمے داری ہے کہ وہ امت مسلمہ کے ہر طرح کے مسائل کا حل پیش کرے اور دین و دنیا ہر معاملے میں ان کا مقتدا بنے مگر ہمارے اکثر مدارس کے نصاب و نظام نے ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔ حالانکہ اب ضرورت اس بات کی زیادہ ہے کہ مدارس میں طلبہ کو دینی و تبلیغی تربیت دی جائے اور انہیں موجودہ چیلنجوں کے جواب کے لیے تیار کیا جائے۔

آیئے گہرائی میں اتر کر غور کریں کہ مدارس سے زیادہ مکاتب پر توجہ کی ضرورت کیوں ہے؟ اگر ہم دیگر اقوام و ملل سے اپنا موازنہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہمارے پاس اعلیٰ درجے کے مکاتب ہیں ہی نہیں۔ استثنائی مثالوں کی بات الگ ہے۔ جب کہ دیگر قوموں کے اپنے اپنے نہایت اعلیٰ درجے کے ادارے ہیں۔ ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ

پوری دنیا میں سکھوں کی ایک الگ شناخت ہے۔ ابتدا میں ان کے پاس بھی اچھے تعلیمی ادارے نہیں تھے۔ ان کے بچے ہندوؤں اور عیسائیوں کے اداروں میں پڑھتے تھے مگر جب انہوں نے محسوس کیا کہ ان انگلش میڈیم اسکولوں میں پڑھ کر ان کے بچے اپنی شناخت اور مذہبی روایات سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور ان کے دماغوں میں ایک الگ قسم کا کلچر پنپ رہا ہے تو انہوں نے خود اپنے ادارے قائم کرنا شروع کیے جہاں ان کا مذہب بھی محفوظ ہے اور وہ تعلیمی میدان بھی میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ آج عالم یہ ہے کہ پورے ملک میں ان کے پاس انتہائی معیاری درس گاہیں ہیں۔ کیا مسلمان ان سے سبق حاصل نہیں کر سکتے؟ ہمارے بچے غیروں کے اسکولوں میں جا کر اپنے مذہب سے متنفر ہو رہے ہیں، اپنی مذہبی اور موروثی روایات کا گلا خود گھونٹ رہے ہیں اور اپنے اسلاف کی نشانیوں کو ہی منہدم کرنے کے در پے ہیں۔ ان انگلش میڈیم اسکولوں میں پڑھنے والے کتنے مسلم بچے ہیں جنہیں صحیح کلمہ بھی یاد ہے اور جو دین کی بنیادی اور ضروری باتوں سے ہلکی سی بھی آشنائی رکھتے ہیں؟ ایسی صورت میں صرف ایک صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ ہے دین وعصر دونوں کے تقاضوں سے لیس اور دونوں کی ضرورتوں پر مشتمل اداروں یا مکاتب کے قیام کی تیاری۔ ہماری نسل جس تیزی سے اپنے مذہب سے عملاً بیزار ہوتی جا رہی ہے اور الحادیت سے اپنے دل ودماغ دونوں آلودہ کر رہی ہے، اس کا تقاضا ہے کہ جلد از جلد اس طرف توجہ دی جائے ورنہ شاید بچی کھچی نسلوں کے ذہن ودماغ کی ڈور بھی ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اس کے لیے ہمیں خود کو تیار کرنا ہوگا اور انفرادی یا اجتماعی طور پر کمر ہمت کسنی ہوگی کیوں کہ جن لوگوں کے ہاتھوں میں مکاتب کا نظام ہے، عموماً ان کے دماغ کے سوتے بالکل خشک ہیں اور ان کی فکروں کا قبلہ درست نہیں۔ اس لیے ان سے کوئی اچھی امید نہیں کی جا سکتی۔ اگر ابھی پر تکیہ کیے بیٹھے رہے تو کسی بڑی تبدیلی کا خواب شاید ہی کبھی شرمندۂ تعبیر ہو۔

ذرا غور کریں کہ مدارس یا مکاتب میں ہماری قوم کے کتنے فی صد بچے پڑھنے آتے ہیں اور عصری علوم کی طرف کتنے فی صد بچے بھاگتے ہیں۔ یہ کوئی حیرت وتعجب کی بات نہیں کہ دونوں میں کئی گنا کا فرق ہے۔ مثال کے طور پر ہم اپنے ضلع پیلی بھیت کو ہی لے لیں۔ یہاں دینی علوم کی طرف مائل ہونے والوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ دو ہزار ہوگی اور عصری علوم کی طرف مائل ہونے والوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچے گی۔ ہمارے ذمے داران مدارس، چندہ کرنے والے مولوی صاحبان اور چندہ کروانے والے کمیٹی کے افراد ان دو ہزار کے لیے ہر سال لاکھوں کروڑوں کا چندہ کرتے ہیں اور ان دو ہزار کو خدمت دین کے لیے تیار کرنے میں پورا زور صرف کر دیتے ہیں (یہ الگ بات ہے کہ یہ مقصد صحیح طور پر پورا ہوتا ہے یا نہیں) مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ لاکھوں طلبہ جو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم ہیں اور اپنے دین کی قیمتی پونجی فروخت کر رہے ہیں، ان کا ایمان کیسے بچایا جائے اور انہیں دین کی طرف کیسے مائل کیا جائے؟ کیا ہمارے پاس ان لاکھوں طلبہ کو دین سے قریب کرنے کے لیے کوئی جامع منصوبہ ہے؟ ہماری نظر میں کیا یہ دین کا کام نہیں؟ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم ان عصری تعلیم یافتگان کی زبان سے بھی دین کی باتیں سنتے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ دینی تعلیم یافتہ فرد کی بہ نسبت عصری تعلیم یافتہ کی باتیں ہمارا سماج خاص طور امیر (Upper Class) اور متوسط (Middle Class) طبقہ بہت غور سے سنتا ہے کیوں کہ عموماً یہ عصری تعلیم یافتگان بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی باتیں زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں اور ہمارے دینی تعلیم یافتہ حضرات

مسجد و مدرسے سے آگے نہیں بڑھ پاتے اور معاشی طور پر کمزور بھی ہوتے ہیں، اس لیے ان کی باتیں بڑے حلقے تک نہیں پہنچ پاتیں۔ اس کے لیے صرف وہی کام کرنا ہے جو اوپر تحریر کیا گیا یعنی انتہائی اعلیٰ معیار کے انگلش میڈیم اسکولوں کا قیام جہاں دین کی تعلیم بھی ٹھوس اور مضبوط بنیادوں پر ہو۔ داخلی اور خارجی دونوں سطحوں پر یہ قابل رشک ہوں اور معیاری ہوں۔ اگر ایسا ہو جاتا ہے تو آپ یقین جانیے کہ زیادہ نہیں، صرف بیس پچیس سال کے عرصے میں ملک کا تعلیمی اور معاشی منظر نامہ بالکل تبدیل ہو جائے گا۔ یہاں سے فارغ ہو کر ہمارے طلبہ اعلیٰ سطحی ملازمتوں اور حکومتی محکموں میں جائیں گے تو وہ صرف ایک آفیسر نہیں بلکہ ایک اچھے مسلمان اور ملک کے اچھے شہری بھی ہوں گے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کا عقیدہ و ایمان مضبوط ہوگا۔ انھیں گمراہ گر گمراہ نہ کر سکیں گے۔

ذرا سوچیں کہ ہمارے مدارس و مکاتب کی طرف کون سا طبقۂ فکر متوجہ ہوتا ہے؟ تلخی کے یہ گھونٹ اپنے گلے کے نیچے اتار لیں کہ ہمارے یہاں ۸۰ رفی صد غریب بچے پڑھنے آتے ہیں۔ اگر ان کے پاس عصری علوم حاصل کرنے کے لیے سرمایہ ہوتا تو یقین جانیے وہ کسی انگلش میڈیم اسکول اور یونیورسٹی کا ہی رخ کرتے۔

افسوس اس کا ہوتا ہے کہ مکاتب جن کی از حد ضرورت ہے، قائم نہیں ہو رہے ہیں بلکہ مدارس پہ مدارس قائم ہوتے جا رہے ہیں۔ حد یہ ہے کہ کمپٹیشن میں ایک ایک شہر میں کئی کئی ادارے اور مدرسے کھل رہے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ اگر کمپٹیشن میں مدرسہ قائم ہوا تو وہاں بہتر تعلیم ہوتی، مگر ان کا بھی حال نہایت ابتر ہے۔ میرے سامنے ایسی ایک نہیں، درجنوں مثالیں ہیں کہ کسی مدرس کا صدر المدرسین صاحب یا مہتمم صاحب سے کسی بات پر تنازع ہوا تو انھوں نے فوراً دوسرا مدرسہ قائم کر لیا اور چندے کا دھندہ شروع کر دیا۔ اگر دین کی خدمت ہی کرنی ہے تو اچھے اور معیاری مکاتب کیوں نہیں قائم کیے جاتے؟ آج کل مدرسہ قائم کرنا بہت آسان اور عام ہو گیا ہے۔ کم پڑھے لکھے اور کم نظر مدرس کو پڑھانے کے لیے جد و جہد بھی نہیں کرنا پڑتی۔ کم پڑھے لکھے عوام انھیں مقتدا سمجھ کر انھیں حضرت حضرت کہہ کر پکارتے ہیں اور طلبہ دست بوسی کرتے ہیں۔ یہ حضرت اسی میں خوش ہو لیتے ہیں اور اسی کو مقصد زندگی اور کل دین سمجھ لیتے ہیں۔ جب اتنی عزت انھیں مفت میں مل رہی ہے تو وہ کیوں محنت کرنے لگیں؟

مدرسوں کی ریل پیل سے ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ حقدار لوگوں کو زکوٰۃ، فطرے، امداد کی رقم نہیں مل پاتی۔ المیہ یہ ہے کہ مدارس اور مکاتب کا نظام عام طور پر ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جو روح دین سے یکسر نابلد ہیں۔ دو چار موٹی موٹی باتیں جان لینے سے کوئی دین کا شناسا نہیں بن جاتا۔ آج تعلیم گاہیں دولت کا انبار لگانے کا ذریعہ بنتی جا رہی ہیں۔ ذمے داران حکومت کی اسکیموں سے خوب خوب فیضیاب ہو رہے ہیں مگر اس حساب سے بچوں کو فیضیاب نہیں کر رہے ہیں۔ پیسہ کمانا کوئی بری بات نہیں، مگر بری بات تب ہے جب مقصد صرف اور صرف پیسہ کمانا ہو اور وہ بھی ناجائز طریقے سے اور دھوکہ دہی کے ساتھ جیسا کہ آج کل ایڈڈ مدارس میں ہو رہا ہے۔ مشاہدے کی مدد سے یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اکثر مدارس یا مکاتب کے ذمے داروں کو طلبہ کے مستقبل سے عملاً کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ ایک بچے سے کئی نسلوں کا مستقبل وابستہ ہوتا ہے؟ اگر اس کا مستقبل برباد ہو گیا تو اس کی نسلوں کے روشن مستقبل کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ یہ بچے دین کے مستقبل ہیں، سماج کے مستقبل ہیں اور ہمارے ملک

کے مستقبل ہیں۔ اگر ان کی زندگیوں سے کھلواڑ کیا گیا تو یہ سب سے بڑا جرم ہوگا۔ ایسے لوگوں کو خدا کی بارگاہ میں جواب دہی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

کبھی غور کیا کہ آخر عصری اداروں کے طلبہ سے لے کر بڑے بڑے اہل مناصب وعہدے داران تک اکثر مسلمان آج صرف قومیت اور نام کے مسلمانوں کیوں ہیں؟ مشرقی روایات سے بدک کر مغربی روایات کی طرف کیوں بھاگتے ہیں؟ اس کے پیچھے مغرب زدہ اور الحاد آمیز تعلیمی نصاب ونظام کلیدی رول ادا کر رہا ہے۔ مسلمانوں کی نئی نسل زیادہ تر غیروں کے مکاتب میں تعلیم حاصل کرتی ہے۔ ان کی تعلیم وتربیت مغربی نظریات وروایات کے سایے میں ہوتی ہے۔ ان اداروں کے اساتذہ اسلام کے حوالے سے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ذہن وفکر میں منفی نظریات منتقل کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات سے دور دور رہنے لگتے ہیں۔ یہ ادارے چونکہ ہر جہت سے اعلیٰ اور معیاری ہوتے ہیں، طلبہ کے بیٹھنے کا اچھا انتظام، اچھے اساتذہ کے علاوہ یہاں ہر وہ چیز میسر ہوتی ہے جو دور جدید کی تعلیم گاہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں کے سارے لوگ اصول وضوابط کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ تعلیمی معیار نہایت بلند ہوتا ہے۔ یہاں کے طلبہ کو دیکھ کر لگتا ہے کہ ہاں واقعی یہ کسی اسکول میں پڑھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی مسلم بچہ ان عصری اداروں سے نکل کر عمل کے میدان میں قدم رکھے گا تو وہ ملحد، مغرب زدہ، فیشن پرست اور اسلامی احکام سے نا آشنا بلکہ ان سے متنفر ہو ہی جائے گا۔ دوسری طرف ہمارے مکاتب نہایت خستہ حالت میں ہیں۔ نہ کوئی اچھا انتظام ہے اور نہ کوئی اچھی سہولت۔ نصابی کتابیں نہایت غیر معیاری ہوتی ہیں اور اساتذہ میں جذبۂ دینی کا فقدان نظر آتا ہے۔ یہاں عموماً ایسی کتابیں داخل نصاب ہیں جو مغرب زدہ مصنفین کی تحریر کردہ ہیں۔ گویا ہمارے مکاتب کے در ودیوار سے بھی مغربی نظریات اور غیر اسلامی روایات کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ یہاں صرف برائے نام تعلیم ہے اور برائے نام تربیت۔ یہ حقیقت بھی ہر کسی کے مشاہدے میں ہے کہ ہمارے مکاتب کے طلبہ عموماً پراگندہ حالی، تہذیب وتمدن سے خالی اور علم وادب سے عاری ہونے کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ ذمہ داران ان اسلامی مدارس میں بچوں کو اسلام کے نام پر جمع کرتے ہیں مگر اکثر بچے بے چارے اسلام کی تعلیمات ہی سے نا آشنا رہتے ہیں۔

یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ہماری نئی نسل ہمارے بزرگوں کے کارناموں سے قطعاً ناواقف ہوتی جا رہی ہے۔ ان کو مغربی مفکرین اور فلمی اداکاروں واداکاراؤں کے نام تو خوب معلوم ہوتے ہیں لیکن اپنے اسلاف کی حیات اور ان کے کارنامے تو بہت دور کی بات ہے، چند بڑے بزرگوں کے ناموں کے علاوہ انہیں نہ اپنے اسلاف کے نام معلوم ہیں اور نہ دین کی اصلیت کی کچھ خبر ہے اور اگر کچھ معلوم بھی ہے تو وہ بھی بہت سطحی اور ناقص ہے جو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کی بھی شایان شان نہیں۔ مثال کے طور پر ہمارے اسلاف نے ہندوستان میں بے شمار کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ بے شمار اولیائے کرام اور مجاہدین عظام ہیں جنہوں اسلام کا پیغام گھر گھر پہنچانے، ملک کی تعمیر وترقی کرنے، اسے امن وانصاف کا گہوارہ بنانے اور آزادی دلانے میں اپنی جانوں کی بازی لگائی ہے، لیکن آپ انصاف سے بتائیے کہ کیا نئی نسل ان کے کارناموں سے واقف ہے؟ نصاب میں ہمارے ہی مذہب اور ہماری ہی روایات کو تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے، ایسے ایسے لوگوں کو بڑھا بڑھا کر پیش کیا جا رہا ہے جنہوں نے آزادیٔ ہند کے حوالے سے کوئی بھی قابل قدر کام نہیں کیا، جنہوں نے

انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھوایا اور جن کی اسلام دشمنی اور وطن غداری بالکل مسلم ہے مگر چوں کہ یہ ساری باتیں ان کے نصاب میں شامل ہیں اس لیے نئی نسل کا ان کی قصیدہ خوانی کرنا فطری ہے۔ مسلم مجاہدین کے کارناموں کو آج حرف غلط کی طرح مٹایا جا چکا ہے اور مزید کوششیں اب بھی جاری ہیں۔

اس تناظر میں یہ کہنا بالکل حق بجانب اور صد فی صد درست ہے کہ اس وقت مدارس سے زیادہ مکاتب پر توجہ کی ضرورت ہے۔ مدارس تو کچھ معیاری ہیں بھی مگر ایک بھی مکتب ہماری نظر سے اب تک ایسا نہیں گزرا جو طلبہ کو صحیح تعلیم وتربیت دے رہا ہو۔ زمانے کا اقتضا یہی ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو، اس طرف توجہ دی جائے ورنہ ہمارا قافلہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ خدارا جلدی کیجیے۔ اپنے بچوں کو اپنے اسلاف سے دور مت ہونے دیجیے اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اگر وہ ہماری روایات اور اسلاف کی حیات سے دور ہو گئے تو آپ اپنی زندگی کی سب سے بڑی بازی ہار گئے۔ بدلیے اپنے آپ کو ورنہ زمانہ آپ کو بدل دے گا۔

ضرورت ہے کہ انٹرمیڈیٹ تک ایسا نصاب تشکیل دیا جائے جو ہماری تاریخی صداقتوں اور اسلامی احکام وروایات کی عظمتوں کو محیط ہو۔ ان نصابی کتابوں کو پڑھنے کے بعد طلبہ جب اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوں تو ان کے ذہن وفکر میں اسلام وسنیت کا شاداب گلشن آباد ہو اور یہ باطل نظریے کے کبھی بھی اسیر نہ بن سکیں بلکہ جب بھی کبھی اسلامی نظریات پر حملہ ہو تو اس کا دفاع اپنے عصری اور اسلامی علوم کے مطالعے کی روشنی میں کر سکیں اور اپنے ماتحت ملازمین، دیگر لوگوں، حلقۂ احباب اور اہل خاندان کے سامنے اسلام کی صحیح ترجمانی پر قادر ہوں۔ عہد حاضر میں جب کہ بیشتر مسلمان اپنے بچوں کو دینی مدارس کی طرف نہیں بھیج رہے ہیں، وہ صرف عصری اداروں ہی کا رخ کر رہے ہیں جہاں سے ان کا معاشی مستقبل بھی وابستہ ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں اپنی اپنی بساط بھر اعلیٰ اور معیاری مکاتب کا قیام وقت کا جبری تقاضا ہے کہ جہاں یہ لوگ غیروں کے ادارے چھوڑ کر اپنے بچوں کو داخل کرانے پر مجبور ہو جائیں اور یہاں پڑھ کر ان کے ذہن وفکر میں اسلامیات کا رنگ اتنا پختہ اور گہرا ہو جائے کہ پھر مرتے دم تک کوئی اس رنگ کو دھندلا نہ کر سکے۔ بالخصوص عقائد اتنے پختہ ہوں کہ کوئی فکری طوفان اس میں خراش نہ پیدا کر سکے۔

جہاد، مزاحمت اور بغاوت

(اسلامی شریعت اور بین الاقوامی قانون کی روشنی میں)

اردو زبان میں پہلی مفصل علمی وتقابلی تحقیق

ــــــ ازقلم: پروفیسر محمد مشتاق احمد ــــــ

[صفحات: ۷۶۰۔ قیمت: ۴۰۰ روپے]

ناشر: الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ